بینک سے تعاون اور اس کے انٹرسٹ کا شرعی حکم؟

(ایک مطالعہ)

از: محمد برہان الدین سنبھلی، استاذ تفسیر وحدیث، ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

عرصۂ دراز سے مسلمانوں کی بدقسمتی سے مسلم ملکوں سمیت تمام دنیا پر جو اقتصادی نظام مسلط ہے اس میں ربٰو، بیوع فاسدہ، اور معاملات کے دیگر غیر شرعی طریقے عام ہیں، نیز کاروباری ضرورت۔ اور دیگر بہت سے مصالح اور حاجات۔ کی وجہ سے بنکوں کا توسط اختیار کرنا اور ان میں رقموں کا جمع رکھنا بھی ناگزیر سا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عام بینکوں کا سارا نظام سود[ع] کے سہارے چلتا ہے بلکہ سود کو اس میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور سود کا اسلامی نقطۂ نظر سے قابل احتراز بلکہ قابل نفرت ہونا اتنا معروف ہے کہ بتانے کی ضرورت نہیں تاہم سود کی شناعت اور مذمت کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں یہاں ان میں سے بعض کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ (انشاء اللہ)

ع۔ جو لوگ بینک کے سود کو سود نہیں سمجھتے ان کے مطالعہ کے لیے آئندہ صفحات میں چند کتابوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے، جن کے مطالعہ کے بعد کسی صاحب نظر کو اس کے "سود" ہونے میں شک نہیں رہ جانا چاہیئے۔ نیز ان لوگوں کو تفسیر "معارف القرآن" و "تدبر قرآن" میں آیات ربا کی تشریح دیکھنی چاہیئے۔

قرآن مجید کے اندر سود کے بارے میں وعیدیں

قرآن مجید میں ہے:

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں
کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان	اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو
من المس[۱]	شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو

ایک اور آیت میں نہایت تہدید آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا:

یا أیہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ	اے ایمان والو! اگر تم سچے مومن ہو تو
وذروا ما بقی من الربا ان	اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے
کنتم مومنین فان لم تفعلوا	اس کو چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو
فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ[۲]	اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے
	جنگ کے لیے خبردار رہو۔

مزید برآں یہ کہ سورۂ آل عمران میں سود خواروں کی وہ سزا بیان کی گئی ہے جو کافروں کی ہے (واتقوا النار التی أعدت للکافرین[۳] ـــــ اس آخری آیت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے بجا فرمایا ہے:

إنّ ھذہ الآیۃ ھی أخوف	قرآن کی یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے
آیۃ فی القرآن حیث اوعد اللہ	کیونکہ اس میں مسلمانوں (سود خواروں)
المومنین بالنار المعدۃ	کو بھی اس آگ میں جلائے جانے کی دھمکی
للکافرین ان لم یتقوہ[۴]	دی گئی ہے جس میں کافر ہی جلائے جائیں
	گے، اگر مسلمان سود خواری سے باز نہ آئے۔

---

[۱] سورۃ بقرہ آیت ۲۷۵۔ [۲] سورۃ بقرہ آیت ۲۷۸ ـ [۳] آل عمران آیت ۱۳۱۔
[۴] تفسیر مدارک التنزیل للنسفی آیت ۱۳۱ آل عمران

اور علامہ محمود الآلوسی نے اس آیت کے تحت کیا خوب لکھا ہے:

وفيه إشارة أن أكلة الربا على شفا حفرة الكفرة ۱؎	اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سود خوار اور کفار پہلو بہ پہلو رہیں گے۔

احادیث میں سود خواروں کا ذکر

علاوہ ازیں احادیث نبویہ (علی صاحبہا التحیۃ) میں سودی لین دین کرنے والوں کے بارے میں جس درجہ کی شدید وعیدیں مذکور ہیں ایمان والوں کے انہیں سننے کے بعد رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

درهم يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلثين زنية	سود کا ایک درہم کھانا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ حرام ہے، چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے

من نبت لحمه من السحت فالنار أولى به ۲؎	جو جسم سود کی غذا سے پلا ہوا اس کا اصل ٹھکانا آگ ہی ہے۔

یہاں پر یہ بتانے کی ضرورت تو معلوم نہیں ہوتی کہ صرف سود لینا ہی جرم و معصیت نہیں ہے بلکہ اس کا دینا اور اس معاملہ میں کسی طرح کا حصہ لینا بھی جرم اور معصیت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

لعن رسول الله آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء ۳؎	سود لینے والے، دینے والے، اور اسکا حساب کتاب لکھنے والے، اس بارے میں گواہی دینے والے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب کے سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں۔

۱؎ روح المعانی (آیت مذکور کے تحت)، ۲؎ مشکوٰۃ ص ۲۴۶ باب الربا عن احمد و دار قطنی و بیہقی۔ ۳؎ صحیح مسلم جلد ثانی ص ۲۷

ان آیات اور احادیث کا حق یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو سود سے پوری طرح بچے اور اس سے ایسا بھاگے جیسا کہ شیر سے یا کسی اور مہلک و خوفناک چیز سے بھاگتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشنگوئی بھی ہے:

لیأتین علی الناس زمان	ایک زمانہ ایسا بھی ضرور آئے گا جس میں
لایبقی أحد إلا أکل الربوا	سود سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ اگر کوئی
فان لم یاکلہ أصابہ	براہ راست سود کھانے سے بچ بھی جائے
من بخارہ[1]	تو بالواسطہ اسکے اثرات سے محفوظ نہ رہ جائے گا

غالبًا یہ پیشنگوئی موجودہ زمانہ میں پوری ہو رہی ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی اس سے بچنا چاہے مگر (بلا واسطہ یا بالواسطہ) ربٰو، یا اس کے غبار سے محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے اور یہ ہمہ گیری زیادہ تر — بلکہ تمامتر، بینکنگ سسٹم، کے زمانہ کی "ضرورت" بن جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تو ایسی صورت میں کیا مشہور فقہی قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات[2]" کی رو سے بینک کے موجودہ نظام سے فائدہ اٹھانے کو بلا قید جائز و مباح سمجھا جائے؟ یا آیات و احادیث کے پیش نظر اس سے بچنے کا اہتمام کیا جائے؟ یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جس کا جواب موجودہ زمانہ کے علماء کو دینا ہے۔ آئندہ سطروں میں اسی سوال کا جواب دینے یا — یوں کہہ لیجئے کہ بینکنگ سسٹم سے فائدہ اٹھانے کا — شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔ (واللہ الموفق للسداد)

بینکوں کا سارا نظام سود پر چلتا ہے

جیسا کہ اوپر کی سطروں میں ذکر آیا، اور یوں بھی وہ ایک معلوم واقعہ ہے کہ بینک کا جو نظام ساری دنیا میں اس وقت رائج ہے وہ اصلاً سود[3] کی بنیاد پر قائم ہے (بجز ان چند اسلامی بینکوں کے،

---

[1] احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۴۵۔ [2] "ضرورتیں ناجائز کو جائز بنا دیتی ہیں" اس کی تفصیل اور حوالہ جات آگے ملاحظہ کیجئے۔ [3] بعض لوگ بینک کے نظام کو سودی نہیں بلکہ (اگلے صفحہ پر……)

کہ جن کا قیام ابھی کچھ مدت پہلے بعض اسلامی ملکوں میں ہوا ہے، جس کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں "البنك الاسلامی للتنمیۃ" کی عظیم الشان بلڈنگ ہے۔

بینک آجکل اقتصادی "ضرورت" بن گیا ہے

بینکنگ سسٹم موجودہ اقتصادیات بلکہ تمدن کی ایسی ناگزیر ضرورت بن گیا ہے جس سے کوئی مفر نہیں نظر آتا۔ چنانچہ اب صورت حال یہ ہے کہ نہ صرف تجارت و معاملات کیلئے بینک کا واسطہ ضروری ہے بلکہ 'حج' جیسے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لیے جہازوں کے کرایہ وغیرہ کی رقمیں بینک کے ہی توسط سے ادا اور وصول کی جاتی ہیں۔ یعنی آج فرائض کی ادائیگی بھی بینک سے رابطہ کے بغیر نہیں ہوسکتی، دریں صورت بینک کے توسط کو بیک جنبش قلم (سود لینے دینے، یا سودی لین دین پر اعانت کرنے کی علت سے) حرام قرار دینا نہ صرف تجارت و معاملات بند کر دینے بلکہ فرائض کی ادائیگی سے محروم کر دینے کا بھی باعث ہوگا جو ظاہر ہے ایسے دین کا حکم نہیں ہوسکتا جس کی خصوصیت ہی یسر، سہل، اور سمح بتائی گئی ہے[عہ] اور جس میں "الحرج مدفوع" اور "المشقۃ تجلب التیسیر"[للہ] کو اصل کا درجہ دیا گیا ہے، اور یہ اصل قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے براہ راست ثابت ہے۔

بینک کے "ضرورۃ" بن جانے کے بعد شریعت کا حکم

(گزشتہ صفحہ ۴۴ کا بقیہ حاشیہ .....) تجارتی منافع پر مبنی قرار دیتے ہیں، لیکن ادھر نصف صدی کے اندر اس موضوع پر اس قدر بحث ہو چکی ہے، اردو زبان میں بھی اتنا لٹریچر آگیا ہے کہ مزید اضافہ کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اور علمائے حقانی کی کثیر تعداد نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ 'سود' ہی ہے، منافع نہیں اور اب اسی پر سارے عالم کے تقریباً تمام اہل حق کا اتفاق ہے۔

عہ یسر، سہل، سمح یہ سب الفاظ حدیث میں دین اسلام کی صفت کے طور پر آئے ہیں، سب کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔ یعنی آسان — للہ مشہور فقہی قاعدہ ہے جس کا مطلب ہے کہ: جب کسی کام میں مشقت ہوتی ہے تو شریعت کی طرف سے اس میں سہولت مل جاتی ہے۔" (تفصیل آگے آ رہی ہے)

ما جعل علیکم فی الدین من حرج ۱؎	(آخری خدائی) دین میں تم پر تنگی روا نہیں رکھی گئی ہے۔
یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۲؎	اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔
الدین یسر ۳؎	(خدا کا آخری) دین آسان ہے۔
بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ ۴؎	(اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) مجھے سیدھا اور آسان دین دیکر بھیجا گیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے ان احادیث کے علاوہ اور بھی متعدد حدیثیں حوالوں کے ساتھ نقل کی ہیں ۵؎

ضرورت اور مشقت کسے کہتے ہیں؟

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ مشقت اور حرج کی وہ کونسی قسمیں مراد ہیں جن کی وجہ سے سہولت حاصل ہوتی ہے؟ کیا معمولی سی تکلیف، یا تھوڑا سا مالی نقصان بھی مشقت و حرج کی اس قسم میں داخل ہے؟ اگر ایسا عموم مراد لیا جائے تو پھر کوئی حکم بھی قابل عمل یا واجب العمل نہ رہنا چاہیے کیونکہ شریعت کا کوئی حکم بھی اس طرح کی مشقت سے خالی نہیں ملیگا۔ یہ واقعہ ہے کہ بہر حال شرعی احکام کی تعمیل میں کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے اور اس سے تھوڑا بہت حرج بھی لازماً ہوتا ہے (یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شرعی احکام کی بندوں پر تعمیل ضروری ہونے کو تکلیف ہی کہا جاتا ہے) اس لیے یہ مفہوم تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر تھوڑی بہت تکلیف بھی کسی حکم شریعت کی تعمیل میں ہو تو وہ حکم مرتفع ہو جائے گا اور اس کی تعمیل ضروری نہ رہے گی۔ کیونکہ اس مفہوم کے لینے سے تو انبیاء کا لایا ہوا ساری دینی نظام ہی معطل اور لغو

۱؎ مائدہ آیت ۶ - ۲؎ بقرہ آیت ۱۸۵ - ۳؎ بیہقی بحوالہ جامع صغیر - ۴؎ ترمذی بحوالہ المناوی
۵؎ دیکھئے "الاشباہ والنظائر" للسیوطی (القاعدۃ الثالثۃ)

قرار پاتے گا، بلکہ شریعت اور شرعی احکام وغیرہا الفاظ بے معنی ہوکر رہ جائیں گے، اس لیے یہ جاننا ضروری ہوگیا کہ حرج اور مشقت سے وہ کونسی دشواری یا تکلیف مراد ہے جس کی وجہ سے شرعی احکام میں رعایت مل جاتی ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے براہ راست اجتہاد کرنے اور تمام متعلقہ نصوص کا جائزہ لینے کے بجائے ہم ان حضرات کے کلام وتحقیق سے فائدہ اٹھالیں تو مناسب ہوگا جن کی عمریں اسی غور وفکر میں صرف ہوئیں، اور جو (وسعت علمی کے ساتھ) مقصد میں انہماک، غور وفکر کی گہرائی نیز تدین وتقوی میں اتنے بلند مقام ہیں کہ ہم جیسے پست قامت اس بلندی کا اندازہ بھی ٹھیک سے نہیں لگا سکتے، ہماری مراد فقہائے کرام رحمہم اللہ سے ہے، چنانچہ یہاں ایسے ہی بعض رفیع المرتبہ حضرات کا کلام پیش کیا جارہا ہے:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور فقیہ ابن النجیم مصری نے " الاشباہ والنظائر" نامی کتابوں میں مشقت" کی بنیادی طور پر دو قسمیں بتائی ہیں (۱) عموماً جس سے کوئی عبادت خالی نہیں ہوتی (۲) جو عبادتوں میں عموماً نہیں پائی جاتی۔

کونسی مشقت" تخفیف حکم کا سبب بنتی ہے؟

پہلی قسم اسقاط حکم میں قطعاً غیر مؤثر ہے یعنی اس کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوگی

دوسری قسم کی پھر ذیل کی صورتیں ہیں (یا کئی درجے ہیں)

(۱) مشقت عظیم: یعنی جس میں جان کی ہلاکت یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، اس صورت میں بہرحال اصل حکم میں تخفیف ہو جائے گی۔ کیونکہ جان کی حفاظت (اسی طرح اعضاء کی) مقدم ہے۔

(۲) مشقت خفیفہ: یعنی جس میں کوئی خاص مشقت ودشواری نہ ہو (مثلاً انگلی میں معمولی درد) اس قسم کی مشقت کی وجہ سے حکم شریعت میں تخفیف نہ ہوگی۔

(۳) مشقت متوسطہ: یعنی جو نہ عظیم جیسی مہلک ہو اور نہ خفیفہ جیسی معمولی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مشقت عظیمہ سے اقرب ہو تو موجب تخفیف ہوگی اور اگر خفیفہ سے اقرب ہو تو اصل

حکم میں تخفیف نہ ہوگی [1]

ایک دوسرے موقع پر اسباب رخصت وتخفیف بیان کرتے ہوئے ایک سبب "عسر" بتایا ہے پھر اس سبب کی وجہ سے شرعی احکام میں جو رخصتیں ملتی ہیں ان کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

کونسی "ضرورت" ناجائز کو جائز بنا دیتی ہے

ان اصولوں کے علاوہ ایک مشہور اصل وہ ہے جس کا ذکر تمہید میں بھی آچکا ہے۔ یعنی "الضرورات تبیح المحظورات" اس اصل کا ثبوت بھی قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے ملتا ہے:

حرمت علیکم المیتة .... فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه [2] فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم [3] وقد فصل لکم ما حرم علیکم إلا ما اضطررتم إلیه [4]	تم پر مردار جانور حرام کر دیا گیا ہے .... لیکن اگر حلال چیز نہ ملے اور تم میں سے کوئی مضطر ہو جائے یعنی بھوک سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس کے کھا لینے میں گناہ نہیں ہے، مگر صرف اتنا ہی کھائے جس سے جان بچ جائے، اس حد سے تجاوز نہ کرے (آیات کا مجموعی مفہوم)

یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوگا کہ "ضرورت" کیا ہر وہ تقاضہ ہے جو انسان کو عموماً پیش آتا رہتا ہے؟ یا وہ کسی مخصوص اور نادر صورت میں پیدا ہونے والے تقاضہ کا نام ہے؟ اگر پہلی بات مراد لی جائے تو پھر اس اصل کی رو سے ہر حرام حلال اور ہر ناجائز جائز قرار پائیگا

[1] "الاشباہ" للسیوطی ص ۸۹ و لابن نجیم ص ۱۱۸ ــ ۱۱۹ (واضح رہے کہ دونوں کی کتابوں کا نام بھی ایک ہے موضوع بھی ایک اور تقریباً ترتیب بھی ایک ہی ہے)
[2] سورۃ بقرۃ آیت ۱۷۳ ــ [3] مائدہ آیت ۳ ــ [4] الانعام آیت ۱۱۹

ظاہر ہے کہ کوئی ہوشمند بھی اسے صحیح قرار نہیں دے گا، اگر نہیں، تو پھر "ضرورت" سے کونسی حالت مراد ہے؟ اس کا جواب بھی ہم از خود دینے کے بجائے بعض مستند فقہا کے کلام سے ہی پیش کرتے ہیں۔

مشہور شامی فقیہ علامہ احمد الحموی محقق ابن الہمام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

ههنا خمسة مراتب، ضرورة، وحاجة، ومنفعة، وزينة، وفضول.	یہاں پانچ مرتبے ہیں ۱۔ ضرورۃ، ۲۔ حاجۃ، ۳۔ منفعۃ، ۴۔ زینۃ، ۵۔ فضول۔

اس کے بعد ہر ایک کی تعریف اور اس کا اجمالی حکم بھی بیان کرتے ہیں:

فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الحرام هلك اوقارب وهذا ايبيح تناول الحرام.	ضرورۃ، نام ہے ایسی صورت کا جس میں ہلاک ہو جانے کا یا قریب بہ ہلاک پہنچ جانے کا یقینی خطرہ ہو۔ اگر ممنوع شئے استعمال نہ کرے۔ اس میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔
والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة، وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم.	حاجۃ کہتے ہیں اس سے کم درجہ کی مجبوری کو کہ جس میں ہلاکت کا خطرہ تو نہیں ہوتا مگر سخت پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ حاجت کی وجہ سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی، البتہ روزہ (رمضان میں) نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے (یعنی اس وجہ سے فرائض وقتی طور پر موخر کیے جا سکتے ہیں۔
والمنفعة كالذى يشتهى	منفعۃ جیسے کسی کو گیہوں کی روٹی کی

خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم	خواہش ہو یا بکرے کے گوشت یا چربیلے کھانے کی۔
والزینۃ کالمشتھی بحلوی	زینۃ۔ جیسے کوئی حلوا یا میٹھا پسند کرے۔
والسکن والفضول التوسع باکل الحرام والمشتبہ [۱]	فضول، یعنی حرام و مشتبہ کی تمیز کے بغیر اپنی خواہشات پوری کرے (موخر الذکر تینوں صورتیں شرعی حکم میں تخفیف کا سبب نہیں بنا کرتیں۔

تقریباً یہی عبارت سیوطی نے بھی اپنی "الاشباہ ص۹۲" میں "قال بعضھم" کہہ کر نقل کی ہے۔

ان تصریحات اور اصول و ہدایت کے سامنے آجانے کے بعد اب آسان ہو گیا ہے کہ مسئلہ زیر بحث (بینکنگ سسٹم سے رابطہ) کے بارے میں روشنی حاصل کی جائے۔ اور شرعی حکم دریافت کیا جائے۔

ضرورت کی وجہ سے جواز کی حد!

قبل اس کے کہ مسئلہ زیر بحث کو حل کرنے کے لیے اصولِ مذکورہ سے رہنمائی حاصل کریں یہ بھی ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ ایک اور اصل "الضرورۃ تقدر بقدرھا" بیان کر دی جائے تاکہ آئندہ کے مباحث میں اس سے بھی استفادہ کر سکیں۔ یہ اصل بھی قرآن مجید کی مذکورہ آیات (کے اجزاء "غیر متجانف لاثم" اور "غیر باغ ولا عاد") سے ماخوذ ہے۔ علاوہ ازیں یوں بھی شریعت کے اصل حکم کے احترام اور اس کی اہمیت کا تقاضہ یہی ہے کہ اصل حکم سے اگر

---

[۱] حاشیہ حموی بر "الاشباہ" ص۱۴۲ لابن النجیم۔ [ع] مطلب یہ ہے کہ "ضرورۃ" کی بنا پر جو چیز جائز ہوتی ہے تو وہ بس اسی قدر ہوتی ہے جس سے کہ صرف "ضرورۃ" رفع ہو جائے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ [۳] اوپر سورہ مائدہ وغیرہا کی آیات میں جہاں مضطر کے لیے مردار کی اجازت دی گئی ہے وہاں یہ بھی ہے کہ اس حد ضرورت سے آگے نہ بڑھا جائے اس کے لیے وہاں "غیر متجانف لاثم" اور "غیر باغ ولا عاد" آیا ہے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تعاون ناگزیر ہو تو بس بقدر ضرورت ہی ہو، بشیر باور، یا مباحات اصلیہ کی طرح اسے نہ سمجھ لیا جائے ورنہ حکم کی عظمت وحرمت باقی نہیں رہے گی (جو ایک طرح سے شریعت کے حکم کو لغو ٹھہرانے کے مترادف ہوگا)۔

کیا بینک واقعی ہر شخص کے لیے ضروری ہے

اس کے بعد جب ہم آجکل کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ بینکنگ سسٹم میں ملوث ہونا ہر شخص کے لیے ناگزیر نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں (بلکہ اکثریت انہی کی ہے) جو بڑی یا بیرونی تجارت نہیں کرتے، اسی طرح وہ جنہیں بیرونی سفر کی ضرورت نہیں پیش آتی، اور نہ ان کے پاس اتنی زیادہ دولت ہے جس کی حفاظت بینک کے توسط کے بغیر نہ کی جاسکے۔ یا اتنا معمولی کاروبار کرنے والے جنہیں بینک سے مدد لینا یا اس میں حساب رکھنا قانونی طور پر لازم نہیں ہوتا ایسے سب لوگوں کے لیے بینکنگ سسٹم ناگزیر نہیں ہے۔ تو جن لوگوں کے لیے بینکنگ سسٹم سے مدد لینا یا اس سے رابطہ قائم کرنا ضروری نہیں ہے ان کو بینک سے تعاون لینا یا اسے تعاون دینا، یعنی بینک میں کھاتہ رکھنا (کیونکہ کھاتہ رکھنے کے بعد تعاون لازماً ہو ہی جاتا ہے) شرعاً جائز نہ ہوگا۔

(واضح رہے کہ یہاں بینک اور بینکنگ سسٹم سے مراد وہ صورت ہے جس میں سود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی بینک نہیں) کیونکہ ایسے لوگوں کا بینک سے تعاون نہ ضرورت کے تحت آتا ہے۔ نہ حاجت کے، اس لیے کہ عدم تعاون سے یہ لوگ اس مشقت یا عسر میں مبتلا نہیں ہوتے جس کی بنیاد پر شرعی احکام میں رخصت حاصل ہوجایا کرتی ہے تو ایسے لوگوں کا بینک سے تعاون (مذکورہ فقہی اقسام میں سے) منفعۃ یا زینۃ۔ بلکہ فضول کے دائرہ میں آتا ہے جس کے لیے احکام اصلیہ میں رخصت مل سکنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا بینک سے تعاون "تعاون علی الاثم" ہوگا (نیز بلا ضرورۃ سود دینے یا لینے کے جرم کا ارتکاب بھی ہوگا) البتہ وہ لوگ جو بڑی یا بیرونی تجارت یا بیرونی سفر کے لیے بینک کا توسط

الحاجة تنزل منزلة الضرورة[۱] - حاجة بھی کبھی ضرورۃ کا درجہ پالیتی ہے۔
(یعنی اس کی وجہ سے حرام حلال ہوجاتا ہے) اس کے ساتھ ایک اصل یہ بھی ہے۔

والحاجة اذا عمت کانت — جو حاجۃ عام ہوجائے وہ ضرورۃ
کالضرورة[۲] — کی طرح بن جاتی ہے۔

یہ قاعدے بھی نصوص سے مستفاد ہیں اور اس کے تحت بہت سے مسائل آجاتے ہیں جن میں سے کچھ احادیث نبویہ میں صراحۃً ملتے ہیں، مثلاً اجارہ، کی مشروعیت یا نکاح کیلئے کسی مصلحت سے اجنبیہ کو دیکھنا۔ حالانکہ اجنبیہ کو دیکھنے کی ممانعت صریح نص سے ثابت ہے لیکن نکاح سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتی ہے[۳]۔
اجارہ میں معدوم شئے کی (یعنی منفعت کی) بیع ہوتی ہے اور معدوم کی بیع کا ممنوع ہونا بکثرت احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (بیع حبل الحبلہ[۴] کی ممانعت اور قبل ظہور[۵] پھلوں کی بیع کا ممنوع ہونا اسی قبیل سے ہے جس کی ممانعت احادیث صحیحہ میں ہے)

(باقی آئندہ)

لہ الاشباہ للسیوطی ص ۹۷

لہ ایضاً

لہ بخاری ص ۷۶۵ ومسلم ج ۱ ص ۴۵۶

لہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲ - جاہلیت میں اچھی نسل کے جانوروں کی پیدائش سے بھی پہلے بیع ہوجاتی تھی یہی بیع حبل الحبلہ ہے۔ چونکہ یہ معدوم شئے کی بیع تھی اسی لیے حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۷

تاریخِ وصال حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی ؒ

جناب مسعود انور علوی۔ ایم اے عربی۔ علیگ

حضرت حکیم الامت ولی النعمت حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جو موتُ العالِم موت العالَم کے مصداق تھی آپ کے چند مخصوص مریدین و مسترشدین نے بصورت اشعار اظہار رنج و حزن وغم و اندوہ کیا تھا اور مصرعہائے تاریخ سے سنہ وفات بھی نکالا تھا۔ لیکن ان تاریخوں کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور شاید اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کے سنہ میں اختلاف بھی رہا ہے۔ مولوی رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم نے حیات ولی میں جو حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات و واقعات میں سب سے پہلی مبسوط و جامع تالیف ہے۔ آپ کا سنہ وفات ۱۱۷۶ھ لکھا ہے اور ثبوت میں صرف ایک مصرعہ قلم بند کرکے لکھا ہے کہ آپؒ کا سنہ وفات "او بود امام اعظم دیں" (وہ دین کے امام اعظم تھے) سے نکلتا ہے۔ چنانچہ بعد کے تمام سوانح نگاروں نے "حیات ولی" ہی کا تتبع کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی ایک مصرعہ لکھا ہے۔

مجھ سے ایک مرتبہ ایک صاحب نے بیان کیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے قبرستان میں خانوادۂ ولی اللّٰہی کے دیگر حضرات کے ساتھ ہی آپ کے مزار شریف پر بھی تاریخ لگی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتہ میں خاص طور پر دہلی گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مزار شریف واقع قبرستان مہندیان، خواجہ میر درد روڈ۔ نئی دہلی پر حاضر ہوا۔ لیکن تاریخ تو درکنار وہاں کتبہ تک نہ تھا۔ فاتحہ خوانی کے بعد میں نے وہاں موجود مدرسہ رحیمیہ کے اکثر اراکین سے دریافت کیا مگر کوئی صحیح نہ بتا سکا۔ اس کے بعد میں علی محمد صاحب متولی جو ایک معمر و باریش بزرگ تھے، کے پاس

ختیار کرنے پر قانونی یا اور کسی قابل لحاظ بنیادوں پر مجبور ہوں یا مال کی حفاظت بغیر بینک میں رقم رکھے متعذر ہو تو ایسے لوگوں کے لیے بینک کا تعاون حاصل کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ۔ خاص طور پر دین اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جذبہ رکھنے والوں کو ۔ دینا، علمائے عصر کی ذمہ داری اور ان پر فرض کفایہ ہے۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ مذکورہ بالا صورتوں میں کیا واقعی انسان ایسی حالت سے دوچار ہوتا ہے جسے شرعی اور فقہی اصطلاح میں "حاجۃ" یا "ضرورت" کا درجہ دیا جاسکے؟

بیرونی تجارت کے لیے بینک سے تعاون

"ضرورت" کی اوپر بیان کردہ تعریف (ان لم یتناول الحرام او قارب) سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی صورت پر بھی "ضرورت" کا صادق آنا مشکل ہے، کیونکہ بڑی یا بیرونی تجارت کے لیے بینک کا توسط لازمی ہونے کی وجہ سے اس تجارت کے ترک سے ہلاک ہوجانے کا واقعی خطرہ اس شخص کو عموماً نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح مال کی حفاظت بھی ایسی مجبوری نہیں جس پر عام حالات میں "ضرورت" کا اطلاق ہوسکے۔ البتہ کسی ملک میں بدامنی عام اور حفاظتی انتظام ناکافی ہوں تو وہاں مال کی خاطر جان کا خطرہ بھی پیدا ہوسکتا بلکہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے ایسے ملکوں میں حفاظت کی غرض سے بینک کا استعمال "ضرورت" میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا۔ یہی بات بیرونی سفر کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے لیکن محض اتنی بات سے کہ ان صورتوں پر "ضرورت" کی فقہی تعریف صادق نہیں آرہی ہے ان سب کو قطعاً ناجائز وحرام اور قابل ترک قرار دینا کیا واقعی شریعت کے "یسر" اور "دفع حرج" کے اصول کے مطابق ہوگا؟ اور کیا عملاً اس طریقہ کا ترک ممکن ہوگا؟ ہمیں اس پہلو پر بھی غور کرنا ہوگا کہ اگر واقعی سب مسلمان تاجر بیرونی یا بڑی تجارت سے دستبردار ہوجائیں یا سب لوگ بیرونی سفر ترک کردیں تو یہ آجکل ناممکن ہے کیونکہ ساری دنیا گویا ایک بڑے